# مدارس اسلامیہ کا مقام اور کام

افادات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ترتیب

عبدالمعید ندوی

ناظر کتب خانہ علامہ عبدالحی بڈھانوی، جامعہ سید احمد شہیدؒ

ناشر

معہد الامام ابی الحسن علی الندوی للدعوۃ والفکر الاسلامی

احمد آباد، (کٹولی) ملیح آباد، لکھنؤ، الہند

www.abulhasanalinadwi.org

جملہ حقوق محفوظ ہیں

طبع اول

اکتوبر ۲۰۰۲ء ——— رجب ۱۴۲۳ھ

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | **مدارس اسلامیہ کامقام اورکام** |
| مرتب | : | عبدالمعید ندوی (ناظر کتب خانہ جامعہ سید احمد شہیدؒ) |
| کمپوزنگ | : | ندوہ کمپیوٹر سینٹر لکھنؤ |
| طباعت | : | پاریکھ آفسیٹ پرنٹنگ پریس۔فون:789966 |
| ناشر | : | معہد الامام أبی الحسن الندویؒ |
| تعداد اشاعت | : | ایک ہزار |
| صفحات | : | ۴۰ |
| قیمت | : | ۸/روپے |

ملنے کے پتے

۱- دفتر جمعیت شباب الاسلام، ندوہ روڈ لکھنؤ
۲- مکتبہ ندویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۳- مکتبہ الشباب، ندوہ روڈ لکھنؤ
۴- مکتبہ سید احمد شہیدؒ، احمد آباد (کٹولی) ملیح آباد لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

# فہرست


| نمبر شمار | مضمون | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱ | عرض مرتب | ۴ |
| ۲ | پیش لفظ | ۶ |
| ۳ | مدرسہ کیا ہے؟ | ۸ |
| ۴ | اسلام کے قلعے | ۸ |
| ۵ | مدرسہ کی ذمہ داری وگراں باری | ۱۲ |
| ۶ | ایک اہم کام | ۱۴ |
| ۷ | مدرسہ کا باطنی انحطاط | ۱۵ |
| ۸ | انقلاب انگیز شخصیتیں | ۱۶ |
| ۹ | مدارس کی افسردہ فضاء | ۱۷ |
| ۱۰ | دارالعلوم دیوبند | ۱۸ |
| ۱۱ | مدرسہ مظاہر العلوم | ۲۰ |
| ۱۲ | دارالعلوم ندوۃ العلماء | ۲۱ |
| ۱۳ | تحریک آزادی اور علماء ہند | ۲۵ |
| ۱۴ | جہاد واجتہاد کا فقدان | ۳۲ |
| ۱۵ | شعور کی تربیت | ۳۴ |
| ۱۶ | نئی علمی تنظیم کی ضرورت | ۳۸ |


www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# عرض مرتب

**الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ ﷺ ،اما بعد!**

ہندوستان میں مسلمان صدیوں سے آباد ہیں،انہوں نے اسے تہذیب وتمدن،علم وادب سے آراستہ کیا،ملک کے گوشے گوشے میں ان کی مسجدیں اور مدرسے ہیں،جنہوں نے باشندگان وطن تک حق وصداقت اور حب الوطنی کا پیغام عام کرنے اور انگریزوں کی غلامی سے ملک کو آزاد کرانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

گذشتہ چند سالوں میں ان مدارس و مکاتب اور مساجد (جہاں قرآن و حدیث،تفسیر وفقہ کی تعلیم ہوتی ہے،اخوت ومحبت کا درس دیا جاتا ہے) کو مسلسل نشانہ بنایا جارہا ہے،بدنام کرنے کوشش کی جارہی ہے،ان کی خدمات کو بالائے طاق رکھ کر ملک مخالف سرگرمیوں سے جوڑا جارہا ہے،ایسی خبریں تقریباروزانہ اخبارات کی سرخیاں بنتی رہتی ہیں۔

موجودہ حالات کے پیش نظر،مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی ندویؒ کی مختلف کتابوں اور تقریروں سے انتخاب کرکے اس کتابچہ کو تیار کیا گیا ہے،تاکہ ملک کے لوگوں کو مدارس کی خدمات سے واقف کرایا جائے،تحریک آزادی میں علمائے دین کے کردار کو مثبت انداز میں پیش کیا جائے۔اور اہل مدارس کے سامنے مستقبل کا لائحہ عمل بھی پیش کیا جائے جو ان کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہمارے لئے بڑی سعادت کی بات ہے کہ حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی مدظلہ العالی نے اس کتابچہ کے لئے پیش لفظ تحریر فرمایا، اور معهد الإمام السيد أبي الحسن علي الحسني الندوي کی جانب سے کل ہند تحفظ مدارس اسلامیہ کنونشن کے زریں موقع پر شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اسی طرح اپنے تمام معاونین اور مخلصین کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اس کتابچہ کی تیاری میں تعاون فرمایا، خاص طور سے مولانا نجیب الرحمٰن ململی صاحب ندوی اور مولانا نجیب الحسن صاحب ندوی کا جنہوں نے کتابت وطباعت کے کام کو آسان بنایا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کوشش کو قبول فرمائے اور مرتب کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے (آمین)

والسلام

عبدالمعید ندوی

ناظر کتب خانہ جامعہ سید احمد شہیدؒ

۲۰۰۲/۹/۳۰ء

www.abulhasanalinadwi.org

باسمہ سبحانہ

# پیش لفظ

مدارس اسلامیہ کی اساس و بنیاد تعلیمات نبوی پر ہے، جن کا سب سے زیادہ روشن عنوان قرآنی تعبیر میں اس طرح ہے "ھو الذی بعث فیھم رسو لا منھم یتلو علیھم آیا تہ و یزکیھم و یعلمھم الکتا ب و الحکمۃ وإن کا نو امن قبل لفی ضلا ل مبین ، ترجمہ: وہی ہے جس نے ان ہی میں، انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمایا، جو ان کے سامنے اس (مالک) کی آیتیں

پڑھتے ہیں، اور ان کو پاک صاف کرتے ہیں؟ اور ان کتاب وحکمت کے وعلوم عطا کرتے ہیں، اگرچہ پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے تھے۔

یہی وہ بنیاد تھی جس پر مدرسۃ الرسول کی تعمیر ہوئی، اسی نظام ونصاب کے مطابق مسجد نبوی میں اور صحبت رسول ﷺ میں جہاں تک میسر ہوتی تعلیم دی جاتی تھی اور تربیت کی جاتی تھی، مثل مشہور ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اسی طرح مدرسہ اپنے فارغین سے جانا جاتا ہے، اس مدرسہ سے جو افراد تیار ہوئے، وہ تاریخ انسانی کے ایسے نابغہ روزگار افراد تھے، جن کی مثال نہ ماضی میں ملتی ہے اور نہ ان کے بعد کے کسی دور میں، ان کے ذریعہ علوم وفنون، تہذیب وتمدن، اور سیاستِ مدن کے جو کارنامے سامنے آئے، دنیا ان کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

مدارس اسلامیہ کیونکہ اس مرکز اور سرچشمہ سے وابستہ ہیں، اسلئے ان کا مقام کتنا بلند، ان کی نسبت کتنی عالی، ان کی ذمہ داری کتنی نازک، ان کا کام کتنا بڑا، اور ان کے مقاصد کتنے جلیل ہیں، اسکا اندازہ لگانا کسی صاحب فکر ونظر شخص کے لئے مشکل نہیں ہے۔

حضرت مولانا سید الوالحسن علی حسنی ندویؒ ان بلند نگاہ، اصحاب بصیرت دردمند مفکرین امت میں تھے، جن کی نگاہوں کے سامنے مدرسۃ الرسول ﷺ کا نقشہ ہمیشہ رہتا تھا، وہ مدرسوں کو اسی کے نقش قدم پر دیکھنا چاہتے تھے، وہ اسی کی یاد دلاتے تھے، وہ جب

www.abulhasanalinadwi.org

بھی علماء اور طلباء کو خطاب فرماتے تھے، تو اسی ماضی کی بازیافت اور اسی کی رہنمائی میں مستقبل کی منصوبہ بندی کی دعوت دیتے تھے، مدارس اسلامیہ وجامعات میں حضرت مولانا کی تقاریر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ہوئیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں لگ بھگ نصف صدی کے عرصہ میں ہر سال تعلیم کے آغاز اور اختتام پر ان کی کم از کم دو تقریریں طلباء کے سامنے ضرور ہو جایا کرتی تھیں، ان میں وہ اپنا دل کھول کر بلکہ کلیجہ نکال کر رکھ دیتے تھے، کتنے نوجوانوں کے دلوں میں بلند عزائم کی قندیلیں ان دردمندانہ خطابات نے روشن کر دیں، اللہ علیم وخبیر ہی جانتا ہے۔

جامعہ سید احمد شہیدؒ میں مدارس اسلامیہ کے مشاورتی اجلاس کے موقع پر مناسب معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جگر پارے مدارس کے اہل دل کے سامنے رکھ دیئے جائیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، مولوی عبدالمعید ندوی کو، جو جامعہ سید احمد شہیدؒ میں تعلیم حاصل کر کے ندوہ میں تکمیلی مراحل سے گذر کر فارغ ہوئے، اور اب جامعہ کے ناظر کتب خانہ ہیں کہ انہوں نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے خطاب سے اقتباسات جمع کر کے یہ "بقامت کہتر بقیمت بہتر" رسالہ مرتب کی ہے، اور اہل نظر کے لئے مواد کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ معہد الإمام أبي الحسن للدعوۃ والفکر الاسلامی جسکا سنگ بنیاد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جامعہ میں ہونے والے سیمینار میں رکھا گیا تھا، اور جو اب اپنی تعمیر وانتظام کی تکمیل کا لباس پہنے مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی خلیفہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں افتتاح کا منتظر ہے، اس رسالہ کی اشاعت سے اپنے کام کا آغاز کر رہا ہے جس کے ہر حرف میں خونِ جگر کی آمیزش ہے۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

سلمان الحسینی الندوی

۲۳ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

www.abulhasanalinadwi.org

# مدرسہ کیا ہے؟

ہم کو سب سے پہلے معلوم ہونا چاہئے کہ دینی مدرسہ کا مقام اور منصب کیا ہے؟ مدرسہ کیا ہے؟ مدرسہ سب سے بڑی درس گاہ ہے، جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار ہوتے ہیں، مدرسہ عالم اسلام کا بجلی گھر (پاور ہاؤس) ہے، جہاں سے اسلامی آبادی بلکہ انسانی آبادی میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، مدرسہ وہ کارخانہ ہے، جہاں سے قلب ونگاہ اور ذہن ودماغ ڈھلتے ہیں، مدرسہ وہ مقام ہے، جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے، اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے، جہاں کا فرمان پورے عالم پر نافذ ہے، عالم کا فرمان اس پر نافذ نہیں، مدرسہ کا تعلق کسی تقویم، کسی تمدن، کسی عہد، کسی کلچر، زبان وادب سے نہیں کہ اس کی قدامت کا شبہ اور اس کے زوال کا خطرہ ہو، اس کا تعلق براہ راست نبوت محمدی سے ہے، جو عالمگیر بھی ہے، اور زندہ جاوید بھی، اس کا تعلق اس انسانیت سے ہے جو ہر دم جواں ہے، اس زندگی سے ہے جو ہمہ وقت رواں اور دواں ہے، مدرسہ درحقیقت قدیم وجدید کی بحثوں سے بالاتر ہے، وہ تو ایسی جگہ ہے، جہاں نبوت محمدی کی ابدیت اور زندگی کا نمو اور حرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔(۱)

# اسلام کے قلعے:

اسلام کے نظام شرعی کی حفاظت اور اس کے لئے ایثار وقربانی صرف وہ طبقہ کرسکتا ہے جس کی ذہنی وعملی تربیت اس کے موافق ہو۔ جس کے رگ وریشہ میں اس نظام کی محبت

(۱) پاجا سراغ زندگی ص:۸۹۔۹۰

www.abulhasanalinadwi.org

اور اس کا عشق و احترام پیوست ہو گیا ہو اور جس کے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں اس کا یقین اتر گیا ہو۔ اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ جب اس نظام پر کوئی ضرب لگائی یا اس کے خلاف کوئی سازش کی گئی تو ہمیشہ یہی طبقہ بے چین ہوا، اور سر سے کفن باندھ کر میدان میں اتر آیا۔ حضرت حسینؓ، زید شہید، محمد ذوالنفس الزکیہؒ ابراہیم بن عبداللہ کی قربانیاں اور سر فروشی اور اموی و عباسی محرف نظام سلطنت کے خلاف تحریک جہاد اسلامی نظام کے حفاظت کی کوشش ہی تھیں۔ پھر ان خونی معرکوں کے مظلوم شہداء اگر عالم کہلانے کے مستحق نہیں تو روئے زمین پر پھر عالم دین کہلانے کا مستحق کون ہے؟ ان کے حامیوں اور مددگاروں میں بھی سرفہرست نام امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔

جب عباسی سلطنت کی طرف سے امت پر جبریہ خلق قرآن کا عقیدہ مسلط کیا جانے لگا تو اس خطرناک تحریف والحاد اور اس غیر اسلامی عقیدہ کے خلاف وقت کی سب سے بڑی شہنشاہی کے مقابلہ میں حفاظت دین کے لئے جو شخص تنہا میدان میں آیا وہ جماعت علماء کا ممتاز فرد امام احمدؒ بن حنبلؒ تھا جس کے عزم و استقامت اور ایمان کے سامنے حکومت وقت کو جھکنا پڑا۔ اور یہ عقیدہ تاریخی یادگار بن کر رہ گیا ہے۔ آج کتنے مسلمان ہیں جو اس کا مطلب بھی سمجھتے ہیں؟

تیسری صدی کے آغاز میں جب عباسی سلطنت کی غفلت سے بغداد میں سخت ابتری فسق و فجور اور بدامنی پھیلی تو دو عالموں خالد الدرویش اور سہیل بن سلامۃ الانصاری نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا اور قوت و جمعیت کے ساتھ "من رأی منکرا فلیغیرہ بیدہ" پر عمل کرنا شروع کر دیا، جس کی پاداش میں وہ دونوں گرفتار ہوئے اور قید کر دیئے گئے۔ (۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو طبری جلد ۱۰ ص ۲۴۱ و مقدمہ ابن خلدون ص ۱۳۴

www.abulhasanalinadwi.org

بعد کے زمانے میں دو جلیل القدر عالم حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور امام ابن جوزیؒ نے اسلامی نظام و اخلاق کی حفاظت اور مسلمانوں کی روحانی و دینی اصلاح کے سلسلہ میں جو خدمات دیں وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

ہمارے ہندوستان میں اسلام کے نازک ترین دور میں جب (مؤرخ اسلام کے الفاظ میں) عجم کے ایک جادوگر نے بادشاہ کے کان میں منتر پھونکا کہ دین عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہوگئی، اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہ امی کے ذریعہ نبی امی علیہ الصلوۃ والسلام کا دین منسوخ کر، دین الٰہی کا ظہور ہو۔ مجوسیوں نے آتش کدے گرمائے، عیسائیوں نے ناقوسیں بجائیں، برہمنوں نے بت آراستہ کئے اور جوجوگ وتصوف نے مل کر کعبہ اور بت خانہ کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا تو جو مسلمان مجاہد، اس ''فتنہ اکبر'' کے مقابلہ کے لئے میدان میں آیا اور جس نے سلطنت مغلیہ کا رخ ہی بدل دیا اور جس کی عہد آفریں تحریک اور انقلاب انگیز تجدید نے اکبر کے گھرانے میں عالمگیر جیسا متشرع فرمانروا اور حامی دین پیدا کیا وہ علماء ہی کا سرتاج مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی تھا۔ رحمہ اللہ۔

اس کے بعد آج اس وقت تک ان عجمی دیار میں اس غریب الوطن عربی مہمان کی جس نے سرپرستی اور حفاظت کی، اور ہوا کے طوفانوں میں اس چراغ کو جو بار بار چراغ سحری بنا، گل نہ ہونے دیا وہ علماء دہلی کا مشہور بابرکت خاندان ہے جس میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنے مجددانہ علمی کارناموں اور ان کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ اپنی قربانی اور سرفروشیوں کی بنا پر خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ بھی حفاظت دین، رد بدعات اصلاح رسوم اور الحاد و زندقہ کے مقابلہ کا جتنا کام اس وقت تک ہوا اور اس وقت بھی ہو رہا ہے وہ سراسر اسی طبقہ سے ہو رہا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اگر دین اور اس کے شرعی نظام کی ضرورت ہے اور مسلمان کو محض ایک قوم بن کر نہیں بلکہ ایک صاحبِ شریعت و صاحب کتاب قوم بن کر رہنا ہے تو مذہب کے محافظین و حاملین اور شریعت کے ترجمان و شارحین کی ضرورت ہے اور اگر ان کی ضرورت ہے تو لامحالہ ان مرکزوں اور اداروں کی ضرورت ہے جو ایسے اشخاص پیدا کر سکتے ہیں اور یہ ضرورت مسلمانوں کی ہر قومی ضرورت سے اہم ہے۔

خلافت راشدہ کے طرز کی اسلامی سلطنت میں بھی دینی مدارس اور تربیت گاہوں کی ضرورت ہے تاکہ امت کے اسلامی جسم میں ہر دم تازہ خون پہونچتا رہے، اہل نظر جانتے ہیں جس نظام کی پشت پر ایسا ادارہ یا تربیت گاہ نہ ہو جو اس قسم کے اشخاص پیدا کرتا رہے جو اس نظام کو چلا سکیں اگلوں کی جگہ لے سکیں اور مشین میں فٹ ہو سکیں، اس نظام کی جڑیں ہمیشہ کھوکھلی اور اس کی عمر کم ہوتی ہے۔

اگر برائے نام اسلامی سلطنت بھی ہے تو بھی ایسے اداروں کی ضرورت ہے تاکہ حکومت کو اپنے ذمہ دار عہدوں کے لئے دین دار امین اور مسلمانوں کی ضرورت سمجھنے والے کارکن مل سکیں۔

لیکن اگر ملک میں بدقسمتی سے اسلامی حکومت نہ ہو تو وہاں ایسے اداروں کی ضرورت شدید تر ہو جاتی ہے اگر کوئی جماعت کسی صحیح اسلامی حکومت کی کچھ نہ کچھ قائم مقامی کر سکتی ہے اور حفاظت دین کا کام انجام دے سکتی ہے تو وہ صرف جماعت علماء ہے، چنانچہ اسی نکتہ کی وجہ سے اسلامی سلطنت کے زوال کے وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے خاندان نے اسلامی تعلیم اور درس و تدریس کا نظام قائم کیا جس نے بڑی حد تک ایک اچھی اسلامی ریاست کی دینی ضرورتیں پوری کیں، اہل بصیرت جانتے ہیں کہ عملی حیثیت

www.abulhasanalinadwi.org

سے اسلام ہندوستان میں ان ممالک سے بہتر حالت میں ہے جہاں برائے نام اسلامی حکومت موجود ہے مگر دینی آزاد مدارس کا کوئی نظام یا خاندان ولی اللّٰہی کی شان کے علماء نہیں پیدا ہوئے۔

جب ہندوستان میں حکومت مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا اور مسلمانوں کا سیاسی قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا، تو بالغ نظر اور صاحب فراست علماء نے جا بجا اسلام کی شریعت و تہذیب کے قلعے تعمیر کر دیئے۔ انھیں قلعوں کا نام عربی مدارس ہے اور آج اسلامی شریعت وتہذیب انہوں قلعوں میں پناہ گزیں ہے۔ اور اس کی ساری قوت و استحکام انہیں قلعوں پر موقوف ہے(۱)

اوروں کا ہے پیام اور مرا پیام اور ہے
عشق کے درد مند کا طرزِ کلام اور ہے

## مدرسہ کی ذمہ داری وگراں باری:

کسی مدرسہ کے لئے اس سے بڑ. کر قابل اعتراض لفظ نہیں ہو سکتے کہ وہ محض ایک دار الآثار یا کسی قدیم عہد کی یادگار ہے، میں اس کو مدرسہ کے حق میں ازالۂ حیثیت عرفی کے مرادف سمجھتا ہوں، میں مدرسہ کو ہر مرکز سے بڑھ کر مستحکم، طاقت ور، زندگی کی صلاحیت رکھنے والا، اور حرکت ونمو سے لبریز سمجھتا ہوں، اس کا ایک سرا نبوت محمدی سے ملا ہوا ہے، دوسرا زندگی سے، وہ نبوت محمدی کے چشمۂ حیواں سے پانی لیتا ہے اور زندگی کے ان کشت زاروں میں ڈالتا ہے، وہ اپنا کام چھوڑ دے تو زندگی کے کھیت سوکھ جائیں اور انسانیت مرجھانے لگے، نہ نبوت

(۱) میر کارواں ص: ۱۶۷ تا ۱۷۰

www.abulhasanalinadwi.org

محمدی کا دریا پایاب ہونے والا ہے، نہ انسانیت کی پیاس بجھنے والی ہے، نہ نبوت محمدیؐ کے چشمۂ فیض سے بخل اور انکار ہے، نہ انسانیت کے کاسۂ گدائی کی طرف سے استغناء کا اظہار، اُدھر سے ''انما انا قاسم و اللہ یعطی'' کی صدائے مکرر رہے، تو اِدھر سے ''ھل من مزید، ھل من مزید'' کی فغان مسلسل، مدرسہ سے بڑھ کر دنیا میں کون سا زندہ متحرک اور مصروف ادارہ ہوسکتا ہے، زندگی کے مسائل بے شمار، زندگی کے تغیرات بے شمار زندگی کی ضرورتیں بے شمار، زندگی کی غلطیاں بے شمار، زندگی کی لغزشیں بے شمار، زندگی کے فریب بے شمار، زندگی کے رہزن بے شمار، زندگی کی تمنائیں بے شمار، زندگی کے حوصلے بے شمار، مدرسہ نے جب زندگی کی رہنمائی اور دستگیری کا ذمہ لیا تو اسے اب فرصت کہاں؟ دنیا میں ہر ادارہ، ہر مرکز، ہر فرد کو راحت اور فراغت کا حق ہے۔ اس کو اپنے کام سے چھٹی مل سکتی ہے، مگر مدرسہ کو چھٹی نہیں، دنیا میں ہر مسافر کے لئے آرام ہے، لیکن اس مسافر کے لئے راحت حرام ہے۔ اگر زندگی میں ٹھہراؤ ہو، سکون اور وقوف ہو، تو حرج نہیں کہ مدرسہ بھی چلتے چلتے دم لے لے، لیکن جب زندگی رواں اور دواں ہے، تو مدرسہ میں جمود و تعطل کی گنجائش کہاں ہے۔ اس کو قدم قدم پر زندگی کا جائزہ لینا ہے، بدلتے ہوئے حالات میں احکام دینے ہیں، نئے نئے فتنوں کا مقابلہ کرنا ہے، بہکے ہوئے قدموں کو راستہ پر لگانا ہے، ڈگمگاتے ہوئے پیروں کو جمانا ہے، وہ زندگی سے پیچھے رہ جائے یا تھک کر بیٹھ جائے، یا کسی منزل پر قیام کرلے، یا اس کو کوئی مقام خوش آجائے تو زندگی کی رفاقت اور قیادت کون کرے، سرود ازلی اور پیغام محمدی اسے کون سنائے، مدرسہ کا تعطل، قیادت سے کنارہ کشی، کسی منزل پر قیام، خودکشی کا مرادف اور انسانیت کے ساتھ بے وفائی کا ہم معنی ہے، اور کوئی خود شناس، اور فرض آشنا مدرسہ اس کا تصور نہیں کرسکتا ہے۔ آپ کا یقین متعدی ہونا چاہئے جو سیکڑوں ہزاروں انسانوں کو یقین سے لبریز کردے، اور یہ اس وقت تک

www.abulhasanalinadwi.org

ممکن نہیں، جب تک کہ آپ کا یہ سرور سرخوشی وسرمستی اور بے خودی کی حد تک نہ پہونچا ہو، اور آپ میں ''یکرہ ان یعود الی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار'' کی حقیقت نہ پائی جاتی ہو، تعلیمات نبوت سے دوسروں کی سرسری واقفیت کافی ہے، مگر آپ کے لئے علوم نبوت میں رسوخ، علوم نبوت سے عشق، علوم نبوت میں مقام فنائیت، علوم نبوت پر اصرار ضروری ہے، اس کے بغیر دعوت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، بلکہ دعوتوں اور تحریکوں کے اس طوفانی دور میں اس کے بغیر اپنی خصوصیات اور سرمایہ کی حفاظت بھی مشکل ہے۔(۱)

## ایک اہم کام:

میں اس وقت عربی مدارس کی افادیت کا اتنا قائل نہیں ہوں کہ قصبے قصبے میں ہوں اور ہر جگہ دورہ ہو، اور ہر جگہ بخاری شریف ضرور ختم ہو، لیکن ان مکاتب کی ضرورت زیادہ ہے، یعنی مسلمانوں کو دین کے مبادیات سے واقف اور حلال وحرام اور اس سے بڑھ کر کفر و ایمان اور توحید وشرک، ان کا امتیاز ان کو ہو جائے ہم آپ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اور تیزی کے ساتھ ہندوستان بدل رہا ہے، ہر چیز کو نیشنلائز کیا جارہا ہے، یونیورسٹیوں کی باری آگئی، مسلم یونیورسٹی کی باری آگئی، کل مدارس کی باری آسکتی ہے، تو اس کے لئے مکاتب کا جال بچھا دیجئے، اور مساجد کو مسلمانوں کی زندگی کا مرکز بنایئے۔ سب سے آخر میں انقلاب کے قدم جہاں پر پہونچیں گے۔ وہ مسجدیں ہیں، اس کے لئے آپ ایسی جگہ اپنے مرکز بنایئے۔ جہاں دیر میں انقلاب پہونچے یا وہاں تک انقلاب پہونچتے پہونچتے قیامت آجائے، ممکن ہے، موقع ہی نہ ملے تو آپ مساجد کو مرکز بنایئے، اور کثرت سے مکاتب قائم کیجئے، اور

(۱) پاجا سراغ زندگی ص: ۹۰ تا ۹۴

www.abulhasanalinadwi.org

بالکل اس کی پرواہ نہ کیجئے کہ آپ نے مدرسہ میں یہ پڑھا تھا، وہ پڑھا تھا، اور وہ علوم ومعارف اور حقائق پڑھے تھے، اور اب یہاں بچوں کو پڑھا رہے ہیں، دیہاتیوں سے باتیں کر رہیں ہیں، آپ نے علم ضائع کیا کبھی اس کا خیال نہ کیجئے، مقصود اللہ تعالی کی رضا ہے، اور اسلام کا تحفظ، یہ دو محاذ ہیں، یہاں رہتے ہوئے استعداد پیدا کرنا اپنے علم میں کمال پیدا کرنا، اچھے مدرس بنانا اور باہر امارت شریعہ کا نظام اور مکاتب کا قیام، اگر آپ نے "و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض" کے مصداق ہوں گے، اور کوئی بے رحم اور بے درد ہاتھ، کوئی ظالم ہاتھ اور کوئی انقلاب وتغیر آپ کے نقش کو مٹا نہیں سکتا، اور آپ کو اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا، اور سچی بات ہے کہ آپ کے لئے کوئی انقلاب نہیں ہے، آپ کے لئے کوئی تغیر نہیں ہے، اس لئے آپ نے اپنی نافعیت صابت کردی اور اللہ تعالی کے یہاں اس کے لئے خاص طور پر ضمانت ہے، جو دین کے ذریعہ دین کے راستہ میں اپنی نافعیت ثابت کردے، جب ہی تو رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا "ان تھلک ھذہ العصابۃ لن تعبد" اے اللہ تیری عبادت کا انحصار ان پر ہے، تیری توحید کی منادی کا انحصار ان پر ہے، آپ بھی ثابت کر دیجئے کہ "اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لن تعبد فی ھذہ الارض" کم سے کم یہیں ہندوستان کے متعلق کہہ دیجئے، پھر کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ (۱)

## مدارس کا باطنی انحطاط:

عرصہ سے ہمارے مدارس ان شاداب پھولوں سے خالی ہوتے جارہے ہیں، ان اوصاف میں روز افزوں انحطاط ہے، ہم کو دل پر پتھر رکھ کر سننا چاہئے، اور دیکھنا چاہئے کہ

(۱) پاجا سراغ زندگی ص: ۱۷۴-۱۷۳

www.abulhasanalinadwi.org

کہنے والے نے کہاں تک صحیح کہا ہے۔

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے مدارس سے جس تعداد میں لوگ فارغ ہو کر نکلتے ہیں کبھی اس تعداد میں نہیں نکلتے تھے۔ لیکن زندگی پر کوئی اثر نہیں ڈال رہے ہیں۔

## انقلاب انگیز شخصیتیں:

پہلے اسی ملک میں خواجہ معین الدین اجمیریؒ یا سید علی ہمدانی کشمیریؒ جیسا ایک فقیر بے نوا آتا اور پورے کے پورے ملک کو اپنے قلب کی حرارت اور اپنے ایمان کے نور سے بھر دیتا، حضرت مجدد الف ثانی نے حکومت مغلیہ میں انقلاب برپا کر دیا، انہیں کی خاموش مساعی کا نتیجہ تھا کہ ہم اکبر کے تخت پر اورنگ زیب جیسا فقیہ متشرع بادشاہ دیکھتے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے اس طویل وعریض ملک کا رجحان بدل دیا، اور پورے نظام فکر اور نظام تعلیم پر گہرا اثر ڈالا، مولانا محمد قاسمؒ صاحب نے ایک عام مایوسی اور پسپائی کے دور میں اتنا بڑا اسلامی قلعہ تعمیر کر دیا، اور علوم شریعت کو ایک نئی زندگی بخش دی، ابھی پچھلے عرصہ میں مولانا محمد الیاسؒ نے ایمان و دینی جد و جہد کی ایک نئی روح پھونک دی۔

غرض ؎ جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

آج ہمارے فضلاء اس روح سے خالی، ان کیفیات سے عاری اور اس قوت سے محروم ہیں، جو لوگوں کے نئے سرے سے سوچنے اور بدل جانے پر مجبور کر دیتی تھی، زمانہ ہی حقیقت شناس ہے، وہ صرف بلندی کے سامنے جھکتا ہے، دماغ، بلند دماغ کے سامنے جھکتے

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں، اور خالی اور سرد دل معمور اور گرم دل کو لوہا مانتے ہیں، ہمارے مدارس میں دماغی انحطاط بھی روز افزوں ہے اور قلبی افسردگی بھی روبہ ترقی، مقررین اور واعظین کی اب بھی کمی نہیں، مگر بقول حضرت جگر ؎

آنکھوں میں سرور عشق نہیں، چہرہ پہ یقیں کا نور نہیں

## مدارس کی افسردہ فضا:

مدارس جو کبھی طاقت اور زندگی کا مرکز تھے، اور جہاں انقلاب آفریں شخصیتیں پیدا ہوتی تھیں، وہ مایوسی، افسردگی، اور احساس کہتری کا شکار ہیں، آج مدارس کی تعداد میں، ان کے طلبہ کی تعداد میں، درس کی کتابوں کی تعداد میں کتب خانہ کی مندرجات کی تعداد میں وظائف کی تعداد میں بہت بڑا اضافہ ہے، مگر زندگی کی نبض سست اور قلب کی دھڑکن کمزور ہے، کوئی دردمند کبھی اس طرف نکل جاتا ہے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، اور وہ اس بحر کا ہل کو دیکھ کر کہنے لگتا ہے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے　　کہ تیرے بحر کے موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو　　کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

لیکن اب تو مدارس کے حق میں کسی طوفان سے آشنا ہونے کی دعا کرتے ہوئے دل ڈرتا ہے، آج مدارس میں طوفان کے آثار نظر آتے ہیں، لیکن یہ باہر کے طوفان کے تھپیڑے اور موجیں ہیں، جو مدارس کے در و دیوار سے ٹکرا رہی ہیں، یہ باہر کے ہنگامی اور سطحی اور عوامی تحریکات کی صدائے بازگشت ہے، جس میں ہمارے مدارس کے طلبہ کا مقام محض نقال یا آلۂ صوت کا ہے۔(۱)

---

(۱) پاجا سراغ زندگی ص: ۹۵ تا ۹۷

www.abulhasanalinadwi.org

# دارالعلوم دیوبند:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی و جہاد کی (جس کی قیادت ہندوستان کے دینی عنصر اور علماء نے کی تھی) ناکامی پر خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں میں تیزی کے ساتھ احساس شکست، احساس کہتری، اور ایک عام مایوسی پھیلتی جارہی تھی، انگریزی حکومت (جو مذہبا عیسائی تھی) کی خلاف توقع کامیابی سے عیسائی مشنریوں اور پادریوں کے حوصلے بہت بلند ہو گئے تھے، اور انہوں نے صاف صاف کہنا شروع کر دیا تھا کہ یہ ملک (ہندوستان) عیسی مسیح کا عطیہ اور امانت ہے تاکہ اس میں مذہب مسیحی کی پورے طور پر اشاعت کی جائے مسلمانوں میں جدید مغربی نظام تعلیم اور فلسفۂ زندگی وتمدن سے دینی واخلاقی انتشار اور اپنے مذہب سے ناواقفیت کی لہر پھیلتی جارہی تھی، اور صاف نظر آرہا تھا کہ آئندہ نسل اپنے اخلاقی نظام، اور اسلامی تہذیب وشریعت سے بیگانہ ہوگی۔

اس صورت حال کے مقابلہ میں جری ودوڑ میں علماء نے اسلام کے دینی وعلمی سرمایہ کی حفاظت اور مسلمانوں کے دینی تعلق واحساس کو باقی رکھنے کے لئے ایسے دینی مدارس کا قیام ضروری سمجھا جو سیاسی زوال کے بعد مسلمانوں کو دینی واخلاقی زوال سے محفوظ رکھیں، اور ان میں ایسے علماء تیار ہو کر نکلیں جو اسلامی شریعت وفقہ سے گہری واقفیت رکھتے ہوں اور ان میں داعیانہ روح اور رضا کارانہ خدمت واشاعت علم کا جذبہ ہو اور جو حکومت کی اعانت وسرپرستی کے بغیر اس ملک میں مسلمانوں کی دینی خدمت اور رہنمائی اور علم کی اشاعت وحفاظت کا فرض انجام دے سکیں، ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند کو اولیت اور خاص اہمیت حاصل ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

یہ ادارہ ایک چھوٹے سے مدرسہ کی حیثیت سے جس کی کوئی اہمیت نہ تھی قائم ہوا، لیکن اس کے ذمہ داروں اور مدرسہ کے اساتذہ کے اخلاص، قناعت اور ایثار کی بدولت برابر ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ اس کی حیثیت ایک بڑی اسلامی یونیورسٹی بلکہ براعظم ایشیا کی سب سے بڑی دینی درس گاہ ہوگئی۔

اس مدرسہ کی ابتداء سہارن پور کے ایک قصبہ دیوبند کی ایک چھوٹی مسجد (چھتہ والی) میں ۱۲۸۳ھ میں ہوئی، ابتدا میں یہ ایک ابتدائی مدرسہ تھا جو دیوبند کے ایک بزرگ حاجی محمد عابد صاحب نے قائم کیا تھا، لیکن اس کی ساری ترقی وتوسیع، شہرت ومقبولیت، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے اخلاص وللّٰہیت، بلند ہمتی وبلند نظری کی رہین منت ہے، جو ابتدا ہی سے اس کے انتظام وانصرام میں شریک تھے، اور بعد میں تو انہوں نے اپنی ساری علمی وفکری صلاحیتیں اور توجہات اس پر مرکوز فرمادیں، خوش قسمتی سے دارالعلوم کو روز اول سے مخلص کارکن اور صاحب دل اساتذہ کا تعاون حاصل رہا، جس کی وجہ سے تقوی وطہارت، اخلاص، تواضع اور خاکساری کی روح پورے ماحول پر طاری رہی، ان باکمال اور مخلص اساتذہ میں مولانا محمد یعقوب نانوتوی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی، مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی، مولانا غلام رسول ولایتی، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، اور مولانا اعزاز علی صاحب کا نام ہمیشہ یاد رہے گا، دارالعلوم کا دائرۂ عمل روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا، اس کی شہرت اور اساتذہ دارالعلوم کے تبحر علمی، صلاح وتقوی اور فن حدیث وفقہ میں ان کی مہارتِ خصوصی کے چرچے دور دور پھیل گئے، جن کو سن کر ہندوستان کے مختلف گوشوں سے اور دوسرے اسلامی ممالک سے کثیر تعداد میں طلباء حصول علم دین کے لئے وہاں آئے طلباء کی تعداد آج کل ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ ہے(۱)

دارالعلوم دیوبند سے اس کی سو سالہ تاریخ میں تحصیل علم کر کے نکلنے والوں کی تعداد

(۱) یہ تعداد ۱۳۸۰ھ کے اعداد وشمار کے پیش نظر لکھی گئی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

دس ہزار سے بھی زیادہ ہے، جن میں پانچ ہزار فارغ التحصیل علماء ہیں جنہوں نے سند فراغ حاصل کی، پڑوسی ممالک کے فارغین کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے، جن میں یاغستان، افغانستان، خیوا، بخارا، قازان، روس، آذربائیجان، مغرب اقصی، ایشیائے کوچک، تبت، چین، جزائر بحرالہند، وغیرہ دوسرے ممالک کے طلباء شامل ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کی دینی زندگی پر دارالعلوم کے فضلاء کی اصلاحی کوششوں کے نمایاں اثرات رونما ہوئے ہیں، بدعات ورسوم کی اصلاح، عقائد کی درستی، تبلیغ دین اور فرق ضالہ سے مناظرہ وغیرہ میں ان حضرات کی جدوجہد لائق تحسین ہے، متعدد فضلاء نے سیاسی میدان اور وطن عزیز کے دفاع کے سلسلہ میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے اور حق گوئی و بیباکی میں علمائے سلف کی یاد تازہ کردی۔

تمسک بالدین، مسلک احناف کی سختی سے پابندی، اسلاف کی روایات کی حفاظت اور سنت کی مدافعت دیوبند کا شعار رہا ہے۔ (۱)

## مدرسہ مظاہر العلوم:

شہر سہارن پور میں ایک دوسری عظیم دینی درس گاہ مدرسہ ''مظاہر العلوم'' ہے کثرت طلبہ اور علوم دین سے شغف کے اعتبار سے دارالعلوم دیوبند کے بعد اسی کا نام آتا ہے، اس کی بنیاد ۱۲۸۳ھ میں مولانا سعادت علی صاحب سہارن پور کے مبارک ہاتھوں پڑی، اس کا نام مولانا مظہر نانوتویؒ کے نام نامی پر (تھوڑے تغیر کے ساتھ) مظاہر العلوم قرار پایا، اس کو (بالترتیب) مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری، اور مولانا اشرف

(۱) ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۳

www.abulhasanalinadwi.org

علی صاحب تھانویؒ کی سرپرستی کا شرف حاصل رہا، اس کے باکمال استاذہ میں مولانا ثابت علی، مولانا عنایت الٰہی، مولانا خلیل احمد سہارن پوری، مولانا محمد یحی کاندہلوی، مولانا عبد اللطیف سہارن پوری، مولانا محمد الیاس دہلوی، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندہلوی اور مولانا اسعد اللہ صاحب کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔

مدرسہ مظاہر العلوم اپنی خصوصیات روایات، اصول اور عقائد کے لحاظ سے دارالعلوم دیوبند ہی کا ہم مسلک ہے، یہاں سے بھی بڑی تعداد میں علماء اور علم دین کے مخلص خدمت گزار فارغ ہو کر نکلے ہیں، جنہوں نے خاص طور پر فن حدیث کی بڑی خدمت کی ہے، اور متعدد کتب حدیث کی شرحیں ان کے قلم سے نکلی ہیں، یہاں کے اساتذہ وطلباء اپنے سادہ طرز معشیت اور قناعت اور دینی استقامت میں بہت ممتاز ہیں۔

## دارالعلوم ندوۃ العلماء:

حضرت مولانا سید محمد علی کانپوری ثم مونگیریؒ نے جن کو عیسائی مشنریوں سے مناظرہ کرنے کا اکثر اتفاق ہوا تھا، اور جو ایک تبلیغی ومناظرانہ رسالہ ''تحفۂ محمدیہ'' نکالتے تھے، اور ایک حساس اور مطالعہ کرنے والا دماغ رکھتے تھے، یہ محسوس کیا کہ یورپ کے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اور نئے طرز کے داعی اور مذہب کے ترجمان پیدا کرنے کے لئے قدیم طریقۂ تعلیم، قدیم علم کلام، اور قدیم نصاب تعلیم کافی اور مفید نہیں، اس کے لئے ایک جامع اور اصلاح شدہ نصاب تعلیم ضروری ہے، جس میں دوراز کار قدیم نظری علوم میں ترمیم و اختصار اور جدید مفید علوم کا اضافہ ہو۔

یہ وہ دور تھا کہ مسلمانوں کے مختلف فقہی گروہوں (حنفی، شافعی، اہل حدیث) میں

www.abulhasanalinadwi.org

مناظرہ کا بازار گرم تھا، جس کے نتیجہ میں فسادات، طویل مقدمہ بازی کو ہوا خیزی ہو رہی تھی، انہوں نے محسوس کیا کہ جب تک علماء وفضلاء مدراس میں رواداری وسعت قلب اور جزئیات وفقہی مسائل میں توسع نہ پیدا ہو، اس صورت حال کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

انہیں دو مقاصد، اصلاح نصاب اور نزع باہمی کے لئے انہوں نے معاصر علماء حق کے مشورہ سے اولاً ۱۳۱۰ھ میں ندوۃ العلماء کے نام سے ایک انجمن قائم کی، پھر ایک نمونہ کی درس گاہ کی ضرورت محسوس کر کے ۱۳۱۲ھ میں اودھ کے علمی وتہذیبی مرکز لکھنؤ میں رفقاء وعلماء کے تعاون سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی۔

ہندوستان کے اکثر اصلاح پسند اور دردمند علماء وعمائد، جدید سر برآوردہ تعلیم یافتہ حضرات اور ملت کے مختلف مکاتب خیال کے موقر نمایندوں نے اس تحریک میں تعاون کیا اور اس کی مجلس انتظامی میں بحیثیت رکن یا اس کے دائرۂ عمل میں بحیثیت کارکن شریک ہوئے، ان میں خاص طور پر علامہ شبلی نعمانی اور مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، مولانا عبد الحق حقانی، مولانا شاہ سلیمان پھلواروی، منشی اطہر علی کاکوروی، منشی احتشام علی کاکوروی، مولانا محمد ابراہیم آروی، قاضی محمد سلمان منصوری، مولانا ثناء اللہ امرتسری مولانا سر رحیم بخش، مولانا مسیح الزماں خاں (استاد میر محبوب علی خاں دکن) مولانا خلیل الرحمٰن سہارن پوری (فرزند مولانا احمد علی صاحب محدث) مولانا حکیم سید عبد الحئی حسنیؒ، نواب سید علی حسن خاں (فرزند نواب صدیق حسن خاں والئی بھوپال) اور مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی خاص طور پر قابل ذکر ہیں (۱)

(۱) آخر الذکر پانچ اشخاص یکے بعد دیگرے ندوۃ العلماء کے ناظم رہے، ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب کی نظامت میں ندوۃ العلماء نے ہر حیثیت سے بڑی ترقی کی، ۷/مئی ۱۹۶۱ میں ڈاکٹر صاحب نے انتقال کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

www.abulhasanalinadwi.org

دارالعلوم ندوۃ العلماء دینی مدارس کے اس ذہنیت سے کہ قدیم تعلیمی ڈگر سے ذرا سا ہٹنا بھی ایک طرح کی تحریف اور بدعت ہے، اور یونیورسٹیوں کی جدت نوازی سے (جس کے تحت ہر قدیم چیز حقیر اور ہر جدید نظریہ وقیع اور قابل احترام ہے) سے بے نیاز ہو کر نقطۂ اعتدال پر قائم ہوا، اس کے بانی قدیم وجدید کے افراط وتفریط، علماء کی علیحدگی پسندی کے رجحانات اور فقہی تنازعات کو مسلمانوں اور اسلام دونوں کے لئے ہلاکت خیز سمجھتے تھے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بنیاد قدیم وجدید کے امتزاج اور اعتدال وتوسط کے اصول پر رکھی گئی ذمہ داران ندوۃ العلماء کا خیال تھا کہ دین ایک ایسی ابدی اور محکم چیز ہے، جس میں کسی تغیر وتبدل کا امکان نہیں، لیکن علم ایک تغیر پذیر شی ہے، جس میں ضرورت اور وقت کے تقاضوں کے لحاظ سے تبدیلی اور حذف واضافہ ہوسکتا ہے، دارالعلوم کا مقصد اصلی اہل سنت کے مختلف فرقوں کے درمیان (جو عقائد وارکان دین میں متفق ہیں) اتحاد ویکجہتی پیدا کرنا تھا، شروع ہی سے ندوۃ العلماء نے علوم اسلامیہ اور نصاب درس کو تغیر پذیر اور حسب ضرورت ترمیم وتنسیخ کے لائق سمجھا۔

دارالعلوم نے خاص طور سے قرآن مجید کی طرف ابدی پیغام حیات کی حیثیت سے توجہ کی اور تدریجی طریقہ سے اور زیادہ مدت تعلیم میں اس کو شامل نصاب کیا، عربی زبان وادب کی تعلیم کی طرف بھی ایک زندہ اور جدید زبان کی حیثیت سے توجہ منعطف کی کیونکہ عربی زبان ہی قرآن وسنت کے فہم کی کلید اور اس کے رازہائے سربستہ کی امین ہے، دارالعلوم نے کبھی عربی زبان کو قدیم اور مردہ زبان (جس کے بولنے اور لکھنے والے اس دنیا میں ناپید ہوں) نہیں سمجھا، جب کہ ہندوستان نے اس زبان کے ساتھ یہی سلوک کر رکھا تھا، نصاب درس میں ندوہ نے ان قدیم علوم کو جو زیادہ مفید نہیں تھے، حذف کر دیا ان کی مقدار بہت ہی کم

www.abulhasanalinadwi.org

کردی اور ان کی جگہ ایسے جدید علوم داخل درس کئے جن کی موجودہ دور کے عالم دین کو جو ملت اسلامیہ کی خدمت کرنا چاہتا ہو شدید ضرورت پیش آتی ہے۔

دارالعلوم نے شروع ہی سے اس بات کی پوری کوشش کی کہ اسلام کے ایسے داعی و شارح تیار کئے جائیں جو دین حنیف کو جدید دنیا کے سامنے مؤثر انداز اور جدید اسلوب میں پیش کرسکیں، ندوہ کو بحمد اللہ اپنے مقاصد میں قابل قدر کامیابی حاصل ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ علماء تیار رہوئے جو جدید دنیائے اسلام کے لئے قابل تقلید ہیں، ان فضلاء نے اسلامی ادب، علم کلام، تاریخ اور سیرت نبویؐ کے موضوع پر نہایت قیمتی علمی سرمایہ فراہم کردیا۔

ان فضلاء میں خاص طور پر مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ قابل ذکر ہیں اول الذکر علامہ شبلی نعمانی کے قائم کئے ہوئے علمی ادارہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے سربراہ رہے، اور ان کی سربراہی ہی میں ندوی فضلاء نے اس ادارہ میں تاریخ، ادب اور فکر اسلامی کے موضوعات پر قیمتی اسلامی لٹریچر پیش کیا۔ پھر ریاست بھوپال میں پھر پاکستان میں اسلامی امور میں اہم ذمہ داریاں سنبھالیں، ثانی الذکر فلسفۂ جدید کے بڑے استاذ اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں صدر شعبہ رہے اور اپنی بحث وتحقیق کے ذریعہ اہم فکری لٹریچر پیش کیا۔

ندوۃ العلماء کے فارغین میں ان کے علاوہ متعدد اہم بڑے اہل قلم اور مفکرین اور تعلیمی واجتماعی میدانوں میں کام کرنے والے پیدا ہوئے۔

جہاں تک عربی زبان وادب کا تعلق ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء نہ صرف خود کفیل بن گیا ہے، اور اپنا ہی تصنیف کردہ عربی زبان وادب کا نصاب پڑھاتا ہے، بلکہ اس کے

www.abulhasanalinadwi.org

اساتذہ وفضلاء کی تصنیف کردہ عربی زبان وادب کی کتابیں ترقی یافتہ عرب ممالک میں بھی مقبول ہیں، اور متعدد تعلیم گاہوں اور جامعات میں داخل نصاب ہیں، اس کے فضلاء واہل قلم نے دعوتی وعلمی مقاصد کے لئے ایک نیا اسلوب پیش کیا جو عالم عربی میں بھی مقبول وقابلِ تقلید ہو رہا ہے۔(۱)

# تحریک آزادی اور علمائے ہند:

تیرہویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہم جب ہندوستان کے اس قومی لٹریچر پر نظر ڈالتے ہیں جو فارسی، اردو، اور ہندی میں دستیاب ہے، تو ہم کو اس عہد کے ایک عظیم عالم اور مصلح کے فکر وکردار پر حیرت ہوتی ہے، جس کے مطالعہ اور تحقیق و تشریح کا میدان صرف دینیات (تفسیر وحدیث، فقہ) اور کسی حد تک عربی، فارسی کے ادبیات کے اندر محدود نظر آتا ہے، نہ اس زمانہ کے عرف کے مطابق وہ کوئی سیاسی قائد و لیڈر تھا، نہ عوامی جدوجہد کے میدان کا کوئی تجربہ کار وحوصلہ مند مجاہد، میری مراد ہندوستان کے شہرۂ آفاق عالم استاذ العلماء اور محقق عصر حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی" (۱۱۵۹۔۱۲۳۹ھ: ۱۷۴۶۔۱۸۲۳ء) کی ذات ہے ان کے ایک عربی شعر میں ہم کو وہ سیاسی بصیرت، برصغیر ہند سے لے کر افغانستان تک کے حالات میں اس انقلاب کے آثار اور فرنگی حملہ آوروں کے خطرناک منصوبوں سے واقفیت کی جھلک، بلکہ اک عمیق ومعنی خیز پیش گوئی کی مثال ملتی ہے، جس کو ان کی دوربینی، حقیقت شناسی اور اخلاقی، معاشرتی، سیاسی و اقتصادی، دوررس تبدیلیوں کی پیش بینی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، جس کی مثال ان کے عہد کے

(۱) ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ، صفحہ ۱۳۷ تا ۱۴۰

www.abulhasanalinadwi.org

بلکہ اس سے بہت بعد تک کے عہد کے کسی سیاسی مبصر اور مورخ کے یہاں نہیں ملتی۔

اسی طرح ان کے خلیفہ وتربیت یافتہ ہندوستان کے شہرۂ آفاق مصلح سید احمد شہید رائے بریلویؒ نے بھی سکندر جاہ آصف ثالث سے خط وکتابت کی تھی، کرنل میڈوز ٹیلر نے اپنی کتاب THE HISTORY OF MY LIFE میں سید احمد بریلویؒ کے ہندوستان سے انگریزی اقتدار کے خاتمہ کی جد وجہد میں انہیں آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی ،اس خط میں انہوں نے آصف جاہ ثالث کو ان کی خاندانی روایات کو یاد دلاتے ہوئے زور دیا تھا کہ ملک سے بے دین لوگوں کے اقتدار کے خاتمہ میں ان کی مدد کریں''

''۱۸۳۱ء میں سید احمد بریلویؒ شہید ہوئے ،لیکن تحریک شہیدین کا زور نہیں ٹوٹا بلکہ اس کے بعد کے واقعات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ان کے پیروں نے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھا، اور اپنا مرکز شمال سے جنوب منتقل کر دیا، ۱۸۳۸ء میں مولوی ولایت علی اور مولوی سلیم الدین (جو اس تحریک کے سرکردہ قائدین میں سے تھے) حیدرآباد آئے، مبارز الدولہ کے گھر میں مقیم رہے اور انہوں نے دیگر ساتھیوں کو مبارز الدولہ کا مخبر اور قاصد بنا کر انہیں مدراس، بنگلور، کرنول جودھپور، بمبئی، بھوپال، لاہور، سندھ، اور دوسرے شہروں اور ریاستوں کو روانہ کیا، چنانچہ ان علاقوں میں تحریک کے حق میں زوردار سرگرمیاں شروع ہوئیں، مختلف مقامات میں بھیجے گئے قاصد فقیروں کے بھیس میں پیامات اور خبریں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچاتے اور عوام میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا پرچار کیا کرتے تھے، ان ہی کے ذریعہ نواب مبارز الدولہ مختلف ریاستوں کے حکمرانوں سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے اور منظم طریقوں سے بغاوت کے منصوبہ کو آگے بڑھا رہے تھے۔(۱)

(۱) نیا دور ''لکھنؤ'' شمارہ یوم آزادی نمبر جلد ۴۰، شمارہ ۵ ص: ۱۲۔۱۳

www.abulhasanalinadwi.org

نواب مبارز الدولہ کے ذکر کے ساتھ ہمارا ذہن قدرتاً سلطان شہید ٹیپو (شہید ۱۲۱۴ء ۱۷۹۹ء) کی طرف منتقل ہوتا ہے، جن کا دور اور کارنامہ ہندوستان کے تمام مجاہدین آزادی اور بالغ نظر دور بیں قائدین آزادی سے پہلے شروع ہوتا ہے، اور جن کا برطانوی اقتدار کے امکانات وخطرات کو برسوں پہلے محسوس کر لینے اور اس سے نفرت کرنے میں کوئی مدمقابل وہمسر نظر نہیں آتا اور جو اقبال کے الفاظ میں:۔

ترکشِ ما را خدنگ آخریں

کا مصداق تھے، جنہوں نے ''گیدڑ کی سوسالہ زندگی پر شیر کی ایک دن کی زندگی'' کو ترجیح دی، اور جن کی نعش کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جنرل ہیرس GENERAL HARRIS کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ ''آج ہندوستان ہمارا ہے'' (۱)

بعض تاریخوں اور خاندانی دستاویزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شہید کے خاندان کا سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے روحانی ارتباط رہا ہے، اس مومن اور اس فقیر وغیور اور امیر جسور کے جسم وجان میں (جس نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوستان کی آبرو رکھ لی) خاندان ولی اللہی اور جماعت مجاہدین اور سید احمد شہیدؒ کے بزرگوں (سید شاہ سعیدؒ اور سید شاہ ابو اللیثؒ) کے روحانی اثرات اور ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کی روح کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ (۲)

(۱) کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد پنجم ص: ۳۴۱

(۲) سید شاہ ابو سعید صاحب کے حقیقی نانا اور سید شاہ ابو اللیث آپ کے حقیقی ماموں تھے، ٹیپو سلطان کے پسماندگان نے جو کلکتہ میں مقیم تھے سید صاحب کے سفر حج کے موقع پر جو ۱۲۳۶ء (۱۸۲۰ء ۱۸۲۱ء) میں پیش آیا، اسی نسبت وتعلق کا حوالہ دے کر کلکتہ میں اپنی قیام گاہ پر دعوت دی اور نظر بند شہزادوں اور شہزادیوں نے بیعت وارادت کا تعلق قایم کیا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' حصہ اول ص: ۲۳۶۔۲۳۷ از حضرت مولانا علی میاںؒ

www.abulhasanalinadwi.org

باوجود اس کے کہ ۱۸۵۷ھ کی جنگ آزادی صحیح معنی میں عوامی اور قومی تھی ،اور ہندوستان سب اس میں شریک تھے ،اور ہندوستان نے وطن پرستی ،اتحاد اور گرم جوشی اور ولولہ کا ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا جیسا کہ اس وقت دیکھنے میں آیا، پھر بھی قیادت ورہنمائی کے میدان میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا ،چنانچہ اکثر قائد مسلمان ہی تھے ،ہنٹر W.W.HUNTER کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ''غدر'' میں سید صاحب کی تحریک جہاد کی چنگاریاں کام کررہی تھیں، وہ لکھتا ہے کہ:----------

''انہوں نے ہندوستان میں ایک ایسا مذہبی انقلاب برپا کردیا، جس کی مثال اس کی گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی ، یہی انقلاب ہے جس نے پچاس سال سے انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی روح کو دبنے نہیں دیا''(۱)

اس تحریک کی فکری اور علمی قیادت میں عظیم اللہ خاں، جنرل بخت خاں، خان بہادر خاں، مولانا شاہ احمد اللہ، مولانا لیاقت علی الہ آبادی اور حضرت محل پیش پیش تھے۔ان میں مولانا احمد اللہ شاہ فیض آبادی کی شخصیت بڑی ممتاز تھی۔

میلی سن لکھتا ہے:--------

''احمد اللہ شاہ سچا محبّ وطن تھا، اس نے کسی نہتے کا خون بہا کر اپنی تلوار کو ناپاک نہیں کیا، بہادری کے ساتھ ڈٹ کر کھلے میدان میں ان بدیسیوں کے ساتھ جنگ کی جنہوں نے اس کے وطن کو چھین لیا تھا، ہر ملک کے بہادر اور سچے لوگوں کو چاہئے کہ مولوی احمد شاہ کو عزت کے ساتھ یاد رکھیں''(۲)

---

(۱)"THE INDIAN MUSALMANS" ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' از ڈبلیو، ڈبلیو ہنٹر، مترجمہ ڈاکٹر صادق حسین مطبوعہ اقبال اکیڈمی، لاہور (۲) ISTORY OF INDIAN MUTINY, VOL. IV. PAGE 381

www.abulhasanalinadwi.org

یہ ایک قتل عام تھا، لیکن مسلمان خاص طور سے اس کا نشانہ تھے، اس لئے کہ بہت سے ذمہ دار انگریز یہ کہتے تھے کہ یہ اسلامی جہاد تھا، اور مسلمان اس بغاوت کے بانی اور رہنما ہیں، ایک انگریز مصنف ہنری میڈ (HENRY MEAD) کہتا ہے:------

''اس سرکشی کو موجودہ مرحلہ میں سپاہیوں کی بغاوت کا نام نہیں دیا جاسکتا، یقیناً اس کا آغاز سپاہیوں سے ہوا، لیکن بہت جلد اس کی حقیقت آشکار ہوگئی یعنی یہ اسلامی بغاوت تھی''(۱)

ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے:------

''ایک انگریز کا شیوہ یہ ہوگیا تھا کہ ہر مسلمان کو باغی سمجھتا تھا، ہر ایک سے پوچھتا ہندو ہے یا مسلمان؟ جواب میں مسلمان سنتے ہی گولی مار دیتا''(۲)

پھر پھانسی کا سلسلہ شروع ہوا تھا، عام شاہراہوں اور سڑکوں پر پھانسی کے تختے لگا دئے گئے، اور یہ جگہیں انگریزوں کی تفریح اور دلچسپی کا مرکز بن گئیں، جہاں آکر وہ پھانسی پانے والوں کے سسکنے اور دم توڑنے کے وقت کا لطف لیتے، سگریٹ کا کش لگاتے اور آپس میں باتیں کرتے رہتے، جب پھانسی کا کام پورا ہوجاتا اور وہ مظلوم شخص آخری سانس لیتا تو ہنسی اور مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتے، ان بدنصیبوں میں بڑے بڑے ذی وجاہت اور اشراف تھے، بعض مسلم محلے اس طرح تہِ تیغ کردئے گئے کہ ایک فرد بھی باقی نہ بچا، ایک معاصر مورخ لکھتا ہے:------

''ستائیس ہزار اہل اسلام نے پھانسی پائی، سات دن برابر قتل عام رہا، اس کا

---

(۱) ماخوذ از ۱۸۵۷ (غلام رسول مہر) (۲) عروج سلطنت انگلشیہ، از منشی ذکاء اللہ ص: ۱۲۷

www.abulhasanalinadwi.org

حساب نہیں، اپنے نزدیک گویا نسل تیمور یہ کو نہ رکھا، مٹا دیا، بچوں کو مار ڈالا، عورتوں سے جو سلوک کیا بیان سے باہر ہے جس کے تصور سے دل دہل جاتا ہے" (۱)

میلی سن لکھتا ہے:----------

"ہمارے فوجی افسر ہر قسم کے مجرموں کو مارتے پھرتے تھے، اور کسی درد و تاسف کے بغیر انہیں پھانسیاں دے رہے تھے، گویا وہ کتے تھے یا گیدڑ، یا نہایت ادنی قسم کے کیڑے مکوڑے" (۲)

فیلڈ مارشل لارڈ رابرٹس نے ۲۱ رجون اپنی والدہ کو لکھا:-----

"سزائے موت کی سب سے زیادہ موثر صورت یہ ہے کہ مجرم کو توپ سے اڑا دیا جائے، یہ بڑا ہی خوفناک نظارہ ہوتا ہے لیکن موجودہ وقت میں ہم احتیاط پر کاربند نہیں ہو سکتے، ہمارا مقصد ان بدمعاش مسلمانوں پر ظاہر کرنا ہے کہ خدا کی مدد سے انگریز اب بھی ہندوستان کے مالک رہیں گے" (۳)

ایک عجیب وغریب جذباتی طریقہ سے جس کی انگریز جیسی دستوری اور جمہوری قوم سے توقع نہیں تھی، (۴) ۱۸۶۵ء میں مولانا یحیی علی، مولانا احمد اللہ عظیم آبادی، مولوی عبد الرحیم صادق پوری، اور مولوی محمد جعفر تھانیسری کو جو سب جماعت مجاہدین سے تعلق رکھتے تھے، انڈمان روانہ کر دیا گیا، مولانا یحیی علی اور مولانا احمد اللہ کا انڈمان میں انتقال ہو گیا، اور

---

(۱) قیصر التواریخ جلد دوم، ص: ۳۵۴ (از سید کمال الدین حیدر) (۲) میلی سن جلد دوم ص: ۱۷۷ (ماخوذ از ۱۸۵۷ء) (۳) EDWARD THOMSON "THE OTHER SIDE OF THE MEDAL" 1926 P.40 (۴) وہ یہ کہ یہ حضرات پھانسی دیے جانے کے فیصلہ سے جو شہادت کی مرادف تھی اس درجہ خوش ہوئے اور ان کے چہروں پر ایسی بشاشت و مسرت ظاہر ہوئی کہ انتظامیہ نے ان کی سزائے موت کو حبس دوام بعبور دریائے شور سے یہ کہہ کر تبدیل کر دیا کہ "ہم تمہاری خوشی و آرزو کو پوری نہ ہونے دیں گے" ملاحظہ ہو تواریخ عجیب (کالا پانی) از مولوی محمد جعفر تھانیسری ص: ۱۰۶۔۱۰۷ مطبوعہ سلمان اکیڈمی (کراچی)

www.abulhasanalinadwi.org

مولوی محمد جعفر اٹھارہ (۱۸) سال کی قید با مشقت اور جلا وطنی کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے، پٹنہ میں اہل صادق پور کی تمام جائدادیں ضبط کرلی گئیں، ان کی عمارتیں گرادی گئیں، اوران پر ہل چلوادیا گیا، اوراس زمین پر نئی سرکاری عمارتیں قائم کی گئیں، ان کے مقبروں کو تباہ کردیا گیا، یہ سب انتقامی جذبہ کے ماتحت اوردل ٹھنڈا کرنے کے لئے کیا گیا۔

اسی طرح ہندوستان کے ممتاز اور جلیل القدر علماء کی خاصی تعداد کو انڈمان میں جلا وطنی کی سزادی گئی جن میں مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم دریابادی کے نام قابل ذکر ہیں، مولانا فضل حق خیرآبادی تو وہیں انتقال کر گئے اور بقیہ دو عالم عرصہ کے بعد وطن واپس ہوئے۔

۱۹۱۲ء میں بلقان کی جنگ چھڑی اور یورپین حکومتوں بالخصوص برطانیہ کے خلاف (جو اس وقت ان کا لیڈر تھا) رائے عامہ میں غم وغصہ کی ایک شدید لہر دوڑ گئی اور مشرق کے اسلامی سیاسی شعور کا لاوا جو آہستہ آہستہ پک رہا تھا پھوٹ پڑا، اسی زمانہ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ''الہلال'' نکالا، جس میں سخت آتشیں مضامین شائع ہوتے، اور یورپ کی مسلم دشمن سیاست پر بڑی فصاحت وقوت کے ساتھ بھرپور تنقید کی جاتی، ہزاروں لاکھوں مسلمان ذوق و شوق کے ساتھ اس کو پڑھتے تھے، مولانا محمد علی جوہرؒ نے کلکتہ سے کامریڈ (COMRADE) نکالا جو بعد میں دہلی منتقل ہوگیا، وہ انگریزی سیاست پر لطیف اور طنز آمیز اسلوب میں تنقید کرتا تھا، اسی طرح مولانا ظفر علی خان کا اخبار ''زمیندار'' اور دوسرے اسلامی اخبارات اور رسالے منظر عام پر آئے اور ان کے ذریعہ سے پورے ہندوستان میں ایک فکری بغاوت یا انقلاب کی آگ پھیل گئی، جس کے نتیجہ میں حکومت ہند نے مولانا محمد علی مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسرت موہانی کو گرفتار کرلیا

www.abulhasanalinadwi.org

اس دور میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کو ان کے تلامذہ و رفقاء کے ایک گروہ کے ساتھ جس میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، برطانوی حکومت نے حجاز سے نکال کر جزیرہ مالٹا میں اسیر و نظر بند کر دیا جہاں تین سال دو مہینے رہنے کے بعد ہندوستان آئے، رہائی کے بعد ان علمائے کرام نے جنگ آزادی اور سیاسی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جن میں مولانا مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے قید و بند کی مصیبتیں اٹھائیں، ان کا مقاطعہ بھی ہوا لیکن وہ پوری مستقل مزاجی سے اپنا کام کرتے رہے، جنگ آزادی کے قائدین میں مذکور الصدر حضرات کے علاوہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا معین الدین اجمیری، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاری کے نام بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔

مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور ان میں خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کے سلسلہ میں علامہ شبلی نعمانی مرحوم کے حصہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، جنہوں نے ''الہلال'' کی نظموں اور ''مسلم گزٹ'' کے مضامین کے ذریعہ برطانیہ کی وفاداری کی پالیسی اور مسلمانوں کی کمزور سیاست پر سخت تنقید کی، اور تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن کو متاثر کیا۔

ہندوستان کی تحریک آزادی اور غیر ملکی اقتدار سے (جو دین و مذہب، اخلاق و اقدار، تمدن و معاشرت، اقتصادیات، ہندوستان کی خوش حالی اور صنعتی خود کفالتی کے لئے خطرہ تھا) نجات حاصل کرنے کی تحریک وجد و جہد میں علمائے دین، سرفروش مجاہدین اور صاحب حمیت و غیرت مسلمانوں کا جو سرفروشانہ حصہ تھا (۱)

## جہاد و اجتہاد کا فقدان:

(۱) کاروان ادب جولائی۔ستمبر ۱۹۹۵ء ص: ۴۹ تا ۵۸

www.abulhasanalinadwi.org

اصل یہ ہے کہ اسلام کی امامت (۱) بڑی نازک اور وسیع صفات کو چاہتی ہے جو فرد یا جماعت اس منصب پر فائز ہو اس کے لئے ذاتی صلاح وتقوی اور عدل کے علاوہ جہاد واجتہاد کی قابلیت کی بھی ضرورت ہے، یہ دو لفظ بہت سادہ اور ہلکے ہیں، لیکن معانی ومطالب سے لبریز، جہاد سے مراد ہے عزیز ترین اور اہم ترین مطلوب کے حصول کے لئے اپنی انتہائی طاقت اور وسائل صرف کر دینا، مسلمان کا سب سے بڑا مقصود اللہ کی فرماں برداری اس کی خوشنودی کا حصول اور اس کی بادشاہی اور احکام کے سامنے سپردگی اور سرافگندگی ہے، اس کے لئے ایک طویل جہاد کی ضرورت ہے، ہر اس عقیدہ، تربیت، اخلاق، اغراض اور خواہشات کے خلاف جو اس میں مزاحم ہوں اور ان تمام نفسی وآفاقی (داخلی وخارجی) آلہہ و معبودان باطل کے خلاف جو اللہ کی فرماں برداری واخلاص میں حریف اور رقیب ہوں، جب یہ مقصد حاصل ہو جائے تو مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کی بادشاہی اور اس کے احکام کو اپنے گرد وپیش کی دنیا اور اپنے بنی نوع پر پھیلانے کے لئے جد وجہد کرے یہ اس کا دینی فریضہ ہے، اور خلق خدا پر شفقت اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کا بھی یہ عین مقتضی ہے، اور اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض اوقات انفرادی اطاعت اور دینداری بھی ماحول کے سازگاری کے بغیر مشکل ہو جاتی ہے، اسی کا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں ''فتنہ'' ہے، دنیا میں جتنے بھی جمادات، نباتات وحیوانات اور انسان ہیں، وہ اللہ کی تکوینی مشیت اور احکام اور اس کے طبعی قوانین کے سامنے سرافگندہ ہیں۔

اجتہاد سے ہماری مراد یہ ہے کہ سیادت وامامت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہو وہ

---

(۱) یہاں اس سے مراد وہ امامت (امارت) نہیں ہے، جس کی تعریف وشرائط کتب فقہ واصول میں ہے، بلکہ وہ قوت وقابلیت ہے جس سے کوئی مسلمان فرد یا جماعت دنیا کی رہنمائی یا پیشوائی کر سکے۔

www.abulhasanalinadwi.org

نئے پیش آنے مسائل زندگی، میں انفراداً یا اجتماعاً صحیح فیصلہ کرنے کی اہلیت اور استعداد رکھتے ہوں، اور روح اسلام اور اسلامی قانون سازی کے اصول سے اتنی واقفیت اور مسائل کے استنباط کی قوت رکھتے ہوں، جس سے وہ امت کے مشکلات کو حل کرسکیں، اشتباہ اور تحیر کے موقع پر اس کی رہنمائی کرسکیں، نیز وہ اتنی ذکاوت ومستعدی اور علم رکھتے اور محنت کرنے کے لئے تیار ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جو طبعی قوتیں پیدا کی ہیں، اور زمین میں دولت وقوت کے جو چشمے اور دفینے رکھ دیئے ہیں ان سے کام لے سکیں، اور ان کو اسلام کے مقاصد کے لئے مفید بنائیں، بجائے اس کے اہل باطل ان کو اپنی خواہشات کے حصول کے لئے استعمال کریں اور زمین میں سربلندی اور فساد کے لئے اس سے مدد لیں، اہل حق ان سے وہ کام لیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے۔(۱)

## شعور کی تربیت:

کسی قوم کے لئے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ صحیح شعور سے خالی ہو، ایک ایسی قوم جو ہر طرح کی صلاحیتیں رکھتی ہو اور دینی ودنیاوی دولتوں سے مالا مال ہو لیکن اس کو نیک وبد کی تمیز نہ ہو، وہ اپنے دوست ودشمن کو نہ پہچانتی ہو، پچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کی اس میں صلاحیت نہ ہو، اپنے رہنماؤں اور قائدین کا احتساب کرنے کی اور قومی مجرموں کو سزا دینے کی اس میں جرأت نہ ہو، وہ خودغرض رہنماؤں کی چرب زبانی اور شیریں کلامی سے مسحور ہو جاتی ہو اور ہر مرتبہ نیا دھوکہ کھانے کے لئے تیار رہتی ہو، وہ قوم اپنی تمام دینی ترقیات اور دنیاوی سرفرازیوں کے ساتھ قابل اعتماد نہیں، وہ پیشہ ور اور خودغرض

(۱) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص: ۱۶۰ تا ۱۶۳

www.abulhasanalinadwi.org

رہنماؤں اور منافق قائدین کا کھلونا بن جاتی ہے، ان کو قوم کی سادہ لوحی اور بے شعوری کی بنا پر من مانی کارروائیاں کرنے کا موقع ملتا ہے، اور ان کو اس کا اطمینان ہوتا ہے کہ کبھی ان کا محاسبہ اور ان سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔

عالم اسلام کی ایک بہت بڑی ضرورت اور اس کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ امت کے مختلف طبقات اور عوام میں صحیح شعور پیدا کیا جائے اور جمہور کی عقلی مدنی اور سیاسی تربیت کی جائے، یاد رہے کہ تعلیم کی اشاعت اور تعلیم یافتہ اشخاص کی کثرت سے یہ لازم نہیں آتا کہ قوم میں شعور بھی موجود ہے اگر چہ اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم کے عموم اور علوم کی اشاعت سے شعور کے بیدار کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے، لیکن شعور پیدا کرنے کے لئے بہر حال مستقل جد وجہد کی ضرورت ہے، مسلمان رہنماؤں اور مسلمانوں میں اصلاحی کام کرنے والوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جس قوم میں غور کی کمی ہے، وہ قوم اعتماد کے لائق نہیں ہے، خواہ اس کے قائدین پر کتنا اعتماد ہو اور وہ ان کی پیروی اور اطاعت میں کیسی ہی چستی اور سرگرمی دکھائے اور ان کی دعوت پر کتنی ہی قربانیاں پیش کرے اس لئے جب تک اس کا شعور تیار نہیں اور وہ بالغ نظر اور پختہ خیال نہیں ہوئی اور ہر آن اس کا خطرہ ہے کہ وہ کسی دوسری دعوت اور تحریک کا آلۂ کار بن جائے گی اور آن کی آن میں سالہا سال کی محنت پر پانی پھر جائے گا جس قوم کا شعور بیدار نہیں ہوا اور جس میں خود سوچنے اور اچھا برا سمجھنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پرمیدان میں پڑا ہو اور مختلف سمت کی ہوائیں اس کو ادھر سے ادھر اڑاتی پھرتی ہوں۔

اسلام اگر چہ ایک آسمانی مذہب ہے اور اس کی بنیاد وحی ونبوت پر ہے لیکن اس نے اپنے پیروؤں میں ایک خاص شعور پیدا کیا جو شعور کی تمام اقسام میں زیادہ مکمل زیادہ وسیع اور

www.abulhasanalinadwi.org

کہیں زیادہ گہرا ہے، اس نے اپنے ماننے والوں میں ایک خاص قسم کا طریقہ فکر پیدا کیا جو جاہلی طریق فکر سے بالکل مختلف ہے، اس نے اپنے ماننے والوں کو بیدار اور خوددار شعور عطا کیا جو اپنی وسعت اور قدرتی لچک کے باوجود ان افکار اور نظریات کو انگیز نہیں کر سکتا، جو اس کے مسلمات سے جوڑ نہ کھاتے ہوں، اور نہ ان عناصر و اجزاء کو ہضم کرنے کے لئے تیار ہیں جو اس کی روح اور اس کے اصول سے تضاد رکھتے ہوں۔

اس اسلامی شعور کی ایک مثال یہ ہے کہ اسلام کی دعوت اور نبی کریم ﷺ کی تربیت وصحبت سے صحابہ کرام کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ جرم ایک قبیح شے اور دینی اخلاقی جرم ہے جو کسی کے لئے جائز نہیں وہ اس پر ایمان لا چکے تھے کہ مسلمان کو ہر شخص کے ساتھ انصاف کرنا چاہئے، خواہ وہ قریب ہو یا بعید، دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا بیگانہ، انہوں نے جاہلانہ حمیت اور قومی قبائلی اور خاندانی تعصّبات سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی تھی۔ اور سمجھ لیا تھا کہ اسلام میں اس اندھے تعصب کی کوئی جگہ نہیں، مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ حق کا ساتھ دے خواہ حق کسی طرف ہو، یہ ان کا عقیدہ بن گیا تھا، اور ان کے خمیر میں داخل ہو گیا تھا

ایک دن اچانک رسول اللہ ﷺ کی زبان سے وہ سنتے ہیں کہ ''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم'' اگر ان کی تربیت میں ذرا بھی خامی اور ان کے ذہن میں کچھ بھی انتشار ہوتا تو وہ خاموشی کے ساتھ اس بات کو سن لیتے اور اس قول کو اس جاہلی مفہوم میں قبول کر لیتے جس کے مطابق ان کا نشو ونما ہوا تھا اور ساری عمر اس پر عمل کرنے میں گزری تھی، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ (دین کی) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ سراسر وحی ہوتی ہے، ان سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کا ادب کرنے والا آپ کی

www.abulhasanalinadwi.org

تمام باتوں کو بے چوں و چرا تسلیم کرنے والا نہیں تھا، لیکن بایں ہمہ وہ خاموش نہ رہ سکے، آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ان کے عقیدہ اور اس فکر و فہم سے ٹکرایا جو آپ ہی کی تعلیمات و تربیت کا نتیجہ تھا، اس سے ان کے اسلامی شعور پر ایک ضرب لگی اور ان کے دماغ کی چولیں ہل گئیں وہ اپنی اس تکلیف کو چھپا نہ سکے اور انہوں نے استعجاب کے ساتھ پوچھا کہ ہم مظلوم کی تو مدد کریں لیکن ظالم کی کیسے مدد کریں؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنے قول کی شرح فرمائی کہ ظالم بھائی کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا جائے اور اس کو ظلم سے باز رکھا جائے یہ سنتے ہی گرہ کھل گئی، اور ان کے اسلامی ذہن نے اس ارشاد کو اس طرح قبول کیا جیسے ایک جانی بوجھی حقیقت ہوتی ہے، یہ اسلامی شعور کی نزاکت اور اسلامی ذکاوت حس کی واضح مثال ہے۔

مسلمان ممالک کے قائدین اور اہل اقتدار سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کبھی اپنے کسی حقیر فائدہ یا لذت وخواہش کے ماتحت اپنے ملک کو رہن رکھ دیں یا اس کا بیعنامہ کر دیں، یا اپنی قوم کو بھیڑ بکری کی طرح فروخت کر دیں یا اپنی قوم کو کسی ایسی جنگ میں جھونک دیں جو اس کی مرضی اور مصلحت کے خلاف ہو، اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ قوم اس کے باوجود بھی ان کی قیادت کا جھنڈا لے کر چلتی رہی، وہ ان کی زندگی کے نعرے لگائے اور ان کی تعریف میں رطب اللسان رہے یہ صورت حال اس کے سوا اور کس بات کی دلیل ہے کہ قوم کا ضمیر مردہ اس کے قوائے فکریہ معطل، اور وہ شعور کی دولت سے محروم ہے۔

کسی انقلاب اور کسی بغاوت کی کوئی قیمت نہیں (خواہ ظاہری طور پر وہ ملک وقوم کے لئے کتنی ہی مفید ہو) جب تک کہ اس کی بنیاد میں کوئی پختہ عقیدہ، فکر صحیح، اور تربیت یافتہ اور عاقلانہ شعور نہ ہو، جب تک رائے عامہ پورے طور پر تیار نہ ہو، اس وقت تک کسی بادشاہ

www.abulhasanalinadwi.org

کی جلاوطنی، کوئی انقلاب حکومت اور وزارت کی کوئی تبدیلی کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور بالکل قابل اعتبار نہیں ہے، اگر قوم میں ان افعال اور اس رویہ سے نفرت نہیں ہے تو ایک غلط شخص یا غلط جماعت کی جگہ پر دوسرا غلط شخص اور دوسری غلط جماعت آسکتی ہے، اور ہوسکتا ہے کہ قوم کو اس کا احساس بھی نہ ہونے پائے، اس لئے اصل قابل اعتبار چیز یہ ہے کہ قوم کا ضمیر اور شعور اتنا بیدار ہوجائے کہ وہ کسی غلط چیز اور مجرمانہ فعل کو کسی حالت میں اور کسی شخص کے لئے بھی برداشت نہ کرسکے۔

اس لئے عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت یہ ہے کہ اس میں صحیح شعور پیدا کیا جائے، ایسا شعور جو نہ کسی ظلم اور ناانصافی کو برداشت کرے، نہ دین واخلاق سے انحراف کو، جو صحیح اور غلط، خلوص اور نفاق، دوست اور دشمن، مصلح اور مفسد کے درمیان آسانی سے تمیز کرسکے، مجرم اس کی ناراضگی اور عتاب سے بچ نہ سکے، اور مخلص اس کے اعتراف اور قدر شناسی سے محروم نہ رہے، وہ اپنے تمدنی، سیاسی، اجتماعی اور دینی مسائل ومعاملات میں ایک عاقل وبالغ انسان کی طرح غور کرسکنے، فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جب تک یہ شعور پیدا نہ ہو، کسی اسلامی ملک وقوم کا جوش عمل، صلاحیت کار دینی جذبات اور مذہبی زندگی کے مظاہر ومناظر کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔(۱)

## نئی علمی تنظیم کی ضرورت:

اگر عالم اسلام کی خواہش ہے کہ نئے سرے سے وہ اپنی زندگی شروع کرے اور غیروں کی غلامی سے آزاد ہو، اگر وہ عالمگیر قیادت حاصل کرنا چاہتا ہے تو صرف تعلیمی خود

(۱) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص: ۳۵ تا ۴۰

www.abulhasanalinadwi.org

مختاری ہی نہیں بلکہ علمی لیڈر شپ بھی بہت ضروری ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں، یہ مسئلہ بہت گہرے غور وفکر کا محتاج ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ وسیع پیمانہ پر تصنیف وتالیف اور علوم کی تدوین جدید کا کام شروع کیا جائے، اس کام کے سربراہ کار عصری علوم سے اتنی واقفیت اور گہری بصیرت رکھتے ہوں جو تحقیق وتنقید کے درجہ تک پہونچتی ہو، اور اس کے ساتھ اسلام کے اصلی سرچشموں سے پورے طور پر سیراب اور اسلامی روح سے ان کا قلب و نظر معمور ہو، اس مقصد کے لئے اس کو منظم جماعتیں اور مکمل ادارہ قائم کرنے ہوں گے اور ایسے ماہرین فن کا انتخاب کرنا ہوگا جو ہر فن میں دستگاہ رکھتے ہوں، وہ ایسا نصاب تعلیم تیار کریں جو ایک طرف کتاب سنت کے محکمات اور دین کے نا قابل تبدیل حقائق پر مشتمل ہوں اور دوسری طرف مفید عصری علوم اور تجزیہ وتحلیل پر حاوی ہوں، وہ مسلمان نوجوانوں کے لئے علوم عصریہ کی از سر نو تدوین کریں جو اسلام کے اصولوں اور اسلام کی روح کی بنیاد پر ہوں، اس میں ہر ایسی چیز ہو جو نوخیز طبقہ کے لئے ضروری ہو اور جس سے وہ اپنی زندگی کی تنظیم کر سکے، اور اپنی سالمیت کی حفاظت کر سکے، وہ مغرب سے مستغنی ہو اور مادی ودماغی جنگ میں اس کے مقابلہ میں آسکے، اپنی زمین کے خزانوں سے فائدہ اٹھائے اور اپنے ملک کی دولتوں کو استعمال میں لائے، اسلامی ملکوں کی مالیات کی نئی تنظیم کرے اور اس کو اسلامی تعلیمات کے ماتحت اس طرح چلائے کہ طرز حکومت اور مالیاتی امور کی تنظیم میں یورپ پر اسلامی نظام کی برتری صاف ظاہر ہو جائے اور وہ اقتصادی مشکلات حل ہو جائے جن کے حل کرنے کے معاملہ میں یورپ سپر ڈال چکا ہے، اور اپنی بے بسی کا معترف ہے۔(۱)

❁❁❁

(۱) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر صفحہ ۳۵۲ تا ۳۵۳

www.abulhasanalinadwi.org

# مطبوعات

## دار السنة للنشر والتوزيع

الفوز الكبير في اصول التفسير للإمام ولي الله الدهلوي
تعريب : سلمان الحسيني الندوي

التعريب الوجيز
بكتب الحديث الشريف سلمان الحسيني الندوي

مقدمة في اصول الحديث للمحدث : الجليل الشيخ عبدالحق الدهلوي
تقديم وتعليق : سلمان الحسيني الندوي

مقدمة سنن الامام الترمذي تحقيق وتعليق : سلمان الحسيني الندوي

لمحة عن الجرح والتعديل تاليف : سلمان الحسيني الندوي

### وصدر حديثا

الامانة في ضوء القرآن والسنة سلمان الحسيني الندوي

دروس من الحديث النبوي الشريف سلمان الحسيني الندوي


دار السنة للنشر والتوزيع

بروليا ،تيغور مارك ، لكنؤ (الهند)


www.abulhasanalinadwi.org